السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

فاروق آباد سے سعید ساجد لکھتے ہیں کہ آج کل قسطوں کا کاروبار تقریباً 75 فیصد لوگ کر رہے ہیں۔جس کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی گاڑی نقد خریدتا ہے تو وہ پانچ لاکھ روپے کی ہے لیکن قسطوں میں وہی گاڑی آٹھ لاکھ روپے میں ملتی ہے کیا یہ صورت سود کے زمرے میں تو نہیں آتی؟

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

واضح رہے کہ صورت مسئولہ کا تعلق مالی معاملات سے ہے مالی معاملات کے متعلق ارشاد نبوی تعالیٰ ہے: ''اے ایمان والو!آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے مت کھاؤ مگر یہ کہ کوئی مال رضامندانہ تجارت کی راہ سے حاصل ہوجائے۔''(4/النساء:29)

باطل طریقہ سے مراد لین دین کاروبار اور تجارت کے وہ طریقے ہیں جن میں فریقین کی حقیقی رضا مندی یکساں طور پر نہیں پائی جاتی بلکہ اس میں ایک فریق کا تو مفاد محفوظ رہتا ہے جبکہ دوسرا غرر یا ضرر کا ہدف بنتا ہے۔اگر کسی معاملہ میں دھوکہ پایا گیا یا اس میں ایک فریق کی بے بسی اور مجبوری کو دخل ہو تو اگرچہ وہ بظاہر اس پر راضی بھی ہوں تاہم شریعت کی رو سے یہ باطل طریقے ہیں۔جنھیں شریعت نے ناجائز ٹھرایا ہے اس لئے لین دین اور باہمی تجارت نہ تو کسی ناجائز وباؤ سے ہو اور نہ ہی اس میں فریب اور ضرر کو دخل ہو اگرچہ خریدوفروخت کی حلت قرآنی نص سے ثابت ہے۔(2/البقرہ 275) لیکن ہر قسم کی خریدوفروخت حلال نہیں ہے بلکہ مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔

1۔ فریقین باہمی رضامندی سے سودا کریں۔

2۔خرید کردہ اشیاء اور ان کا معاوضہ مجہول نہ ہو۔

3۔ قابل فروخت چیز فروخت کنندہ کی ملکیت ہو اور وہ اسے خریدار کے حوالے کرنے پر قادر ہو۔

4۔ فروخت کردہ چیز میں کسی قسم کا عیب چھپا ہوا نہ ہو۔

5۔خریدوفروخت کسی حرام چیز کا نہ ہو اور نہ ہی اس میں سود وغیرہ کو بطور حیلہ جائز قرار دیا گیا ہو۔

6۔اس خریدوفروخت میں کسی فریق کو دھوکہ دینا مقصود نہ ہو۔

7۔ اس تجارتی لین دین میں حق رجوع کو برقرار رکھا گیا ہو۔

کتب حدیث میں خریدوفروخت کی تقریباً 30 اقسام کو انہی وجہ سے حرام ٹھرایا گیا ہے۔پھر عام طور پر خریدوفروخت کی دو قسمیں ہیں:

الف) نقد۔(ب) ادھار۔)

نقد یہ ہے کہ چیز اور اس کا معاوضہ فوراً حوالے کردیا جائے۔پھر معاوضہ کے لحاظ سے اس کی مزید دو اقسام ہیں:

1۔ معاوضہ نقدی کی صورت میں ہو۔

2۔ معاوضہ جنس کی صورت میں ہو۔

جہاں معاوضہ جنس کی صورت میں ہو اس کی دو صورتیں ہیں:

الف) حرام۔(ب) جائز۔)

حرام یہ ہے کہ ایک ہی جنس کی خریدوفروخت میں ایک طرف سے کچھ اضافہ ہو جیسا کہ ایک تولہ سونا دے کر دو تولے سونا لینا ایک کلو کھجور کے بدلے دو کلو کھجور لینا وغیرہ۔

جائز یہ ہے کہ مختلف اجناس کی خریدوفروخت کرتے وقت کسی ایک طرف سے کچھ اضافہ کے ساتھ وصولی کرنا مثلاًایک من گندم کے عوض دو من جولینا لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ سودا نقد ہو۔

خریدوفروخت کے ادھار ہونے کی صورت میں بھی اس کی کئی اقسام ہیں : مثلاً

1۔ چیزاوراس کا معاوضہ دونوں ہی ادھار ہوں ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ فقہی اصطلاح میں اسے بیع الکالی کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

2 اگر دونوں میں سے ایک نقد اوردوسری ادھار ہو تواس کی دو صورتیں ہیں :

1۔ معاوضہ نقدی کی صورت میں پہلے ادا کردیا جائے لیکن بیع یعنی فروخت کردہ جنس بعد میں حوالہ کرنا ہواسے بیع سلم یا سلف کہا جاتا ہے اس کی شرعاً اجازت ہے بشرط یہ کہ : (الف) جنس کی مقداراوراس کا بھاؤپہلے طے شدہ ہو(ب) جنس کی ادائیگی کا وقت بھی متعین ہو۔

2۔ بیع یعنی فروخت کردہ چیزپہلے وصولی کرلی جائے لیکن معاوضہ کی ادائیگی ادھار ہو یہ بھی جائز ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر کے آخری دور میں ایک یہودی سے آئندہ قیمت کی ادائیگی پر کچھ جو لیے تھے اسے بیع نسیئہ کہتے ہیں اس بیع کی دو صورتیں ہیں۔

1۔ فروخت کردہ چیز کا بھاؤایک ہوخواہ نقد ہو یا ادھاراس ک جواز میں کسی کواختلاف نہیں ہے۔

2۔ فروخت شدہ چیز کے نقد اور ادھار کے دو بھاؤ ہوں اس کے جواز یا عدم جواز کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ صورت مسئولہ میں بھی اسی کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق ہم نے گزارشات پیش کرنی ہیں۔ لیکن ان گزارشات سے پہلے دواصولی باتیں گوش گزار کرنا ضروری خیال کرتے ہیں :

1۔ معاملات اور عبادات میں فرق یہ ہے کہ عبادات میں اصل حرمت ہے الا یہ کہ شریعت نے اس کی بجاآوری کا حکم دیا ہو جبکہ معاملات میں اصل اباحت ہے الا یہ کہ شریعت نے کسی کے متعلق حکم امتناعی وارد کیا ہو۔ صورت مسئولہ کا تعلق معاملات سے ہے اس کے متعلق ہم نے حکم امتناعی تلاش کرنا ہے۔ بصورت دیگر یہ حلال اور جائز ہے۔

2۔ کسی چیز کا بھاؤ متعین کردینا شرعاً جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مدینہ ن اشیاء کے بھاؤ متعین کردینے کے متعلق عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ''کہ اللہ تعالی ہی خالق اور اتار چڑھاؤ کا مالک ہے۔ نیزوہ تمام مخلوق کا رازق ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن میرے زمے کسی کا حق ہو۔ ''(مسند امام احمد :3/156)

اس بنا پر اشیاء کی قیمتیں توقیفی نہیں ہیں۔ کہ ان میں کمی بیشی نہ ہوسکتی ہو۔ نیز کسی چیز کا نفع لینے کی شرح کیا ہو؟اس کے متعلق بھی شریعت کا کوئی ضابطہ نہیں ہے۔ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین سے ایسے واقعات بھی منقول ہیں۔ کے انھوں نے قیمت خرید پر دوگنا نفع وصول کیا۔ (صحیح بخاری)

صورت مسئولہ یوں ہے کہ ایک دوکاندار اپنی اشیاء بایں طور فروخت کرتا ہے کہ نقد ادائیگی کی شکل میں ایک چیز کی قیمت 300 روپے ہے لیکن وہی چیز ایک سال کے ادھار پر 400 روپے میں اور دوسال کے ادھار پر 500 میں فروخت کرتا ہے۔ ادھار کی شکل میں خریدار کو اختیار ہے کہ وہ سال کے اختتام پر واجب الادا رقم یکمشت ادا کردے یا حسب معاہدہ اس رقم کو بالاقساط ادا کردے۔ موجودہ دور میں قسطوں پر اشیائے ضرورت بیچنے کا رواج تمام اسلامی ممالک میں عام ہوچکا ہے اور بہت سے لوگ اپنی ضرورت کی اشیاء صرف قسطوں پر خرید سکتے ہیں۔ اور نقد خریدنا ان کی طاقت سے باہر ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ قسطوں کی صورت میں ایک چیز کی قیمت بازاری قیمت سے زیادہ مقرر کی جاتی ہے۔ بعض علماء اس زیادتی کو ناجائز کہتے ہیں کیوں کہ ثمن کی یہ زیادتی ''مدت'' کے عوض میں ہے اور جو ثمن ''مدت'' کے عوض میں ہو وہ سود ہے۔ جسے شریعت نے حرام کہا ہے علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ تعالی عنہ ہادویہ کا یہی مسلک نقل کیا ہے۔ لیکن آئمہ اربعہ جمہور فقہاء اور محدثین کا مسلک یہ ہے کہ خریدوفروخت کے عمومی دلائل کے پیش نظر ادھار بیع میں نقد کے مقابلے میں قیمت زیادہ کرنا جائز ہے۔ بشرط یہ کہ خریدار اور فروخت کنندہ ادھار یا نقد قطعی فیصلہ کرکے کسی ایک قیمت پر متفق ہوجائیں۔ (نیل الاوطار "5/172)

لہذا اگر بائع یہ کہے کہ میں یہ چیز نقد اتنے میں اور ادھار اتنے میں فروخت کرتا ہوں۔ اس کے بعد کسی ایک بھاؤ پر اتفاق کیے بغیر دونوں جدا ہوجائیں جہالت ثمن کی وجہ سے یہ بیع ناجائز ہے۔ لیکن اگر عاقدین مجلس عقد میں ہی کسی ایک شق اور کسی ایک ثمن پر اتفاق کرلیں۔ تو بیع جائز ہوجائے گی۔ چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جامع ترمذی میں لکھتے ہیں :

بعض اہل علم نے حدیث ((بیعتین فی بیعتہ))کی تشریح بایں الفاظ کی کہ '' بائع مشتری سے کہے کہ میں یہ کپڑا تمھیں نقد دس اور ادھار بیس روپے میں فروخت کرتا ہوں اور کسی ایک بیع پر اتفاق کرکے جدائی نہیں ہوئی لیکن اگر'' ان دونوں میں سے کسی ایک پر اتفاق ہونے کے بعد جدائی ہوئی تو اس میں حرج نہیں کیوں کہ معاملہ ایک پر طے ہوگیا ہے۔ ''(جامع ترمذی : کتاب البیوع)

امام ترمذی کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ ((بیعتین فی بیعتہ))کے ناجائز ہونے کی علت یہ ہے۔ کہ عقد کے وقت کسی ایک صورت کی عدم تعین سے ثمن دو حالتوں میں متردد ہوجائے گی۔ اور یہ تردد جہالت ثمن کو مستلزم ہے جس کی بنا پر ناجائز ہوئی مدت کے مقابلہ میں ثمن زیادتی ممانعت کا سبب نہیں لہذا اگر عقد کے وقت ہی کسی ایک حالت کی تعین ہوجائے اور جہالت ثمن کی خرابی دور کردی جائے۔ تو پھر اس کے جواز میں شرعاً کوئی قباحت نہیں رہے گی۔ کیونکہ قرآن وحدیث میں اس کے بیع کے عدم جواز پر کوئی نص موجود نہیں۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ معاملات کے متعلق فرماتے ہیں : ''جو معاملات انسان کو ضرورت کے طور پر پیش آتے ہیں وہ سب حلال اور جائز ہیں الا یہ کہ اس کی حرمت پر قرآن وحدیث میں کوئی واضح دلیل موجود ہو۔ ''(مجموع الفتاویٰ :28/386)

ہم نے آغاز میں جو ایک اصول بیان کیا تھا اس سے ایک مرتبہ پھر بنظر غائر دیکھ لیا جائے اور اس بیع میں جو ثمن کی زیادتی ہے۔ اس پر ربا کی تعریف بھی صادق نہیں آتی۔ کیونکہ وہ قرض نہیں اور نہ ہی اموال ربوی کی خریدوفروخت ہو رہی ہے۔ بلکہ یہ عام بیع ہے اور اس عام بیع میں فروخت کنندہ کو شرعاً مکمل اختیار ہے کہ وہ اپنی چیز جتنی قیمت پر چاہے فروخت کرے اور اس کے لئے شرعاً یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنی چیز کو بازار کے بھاؤ سے فروخت کرے۔ اور قیمت کی تعین میں ہر تاجر کا اپنا ایک اصول اور انداز ہوتا ہے اس پر پابندی نہیں ہے کہ وہ ایک متعین ریٹ پر اپنی اشیاء کو فروخت کرے اور اس سلسلہ میں ہمارا بیان کردہ دوسرا اصول پیش نظر رہنا چاہیے کہ بعض اوقات ایک ہی چیز کی قیمت حالات کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے۔ اگر کوئی بائع اپنی چیز کی قیمت ایک حالت میں کچھ مقرر کرے اور دوسری حالت میں کوئی دوسری مقرر کردے تو شریعت نے اس پر کوئی قدغن نہیں لگائی لہذا اگر کوئی شخص اپنی چیز نقد آٹھ روپے میں اور ادھار دس روپے میں فروخت کرتا ہے تو اس شخص کے لئے بالاتفاق یہ جائز ہے۔ کہ وہ اسی چیز کو نقد دس روپے میں فروخت کردے۔ بشرط یہ کہ اس میں ضرر یا غرر نہ ہو۔

(اور جب دس روپے میں فروخت کرنا جائز ہے تو ادھار دس روپے میں فروخت کرنا کیوں ناجائی ہوا۔ '' (فتدبر

اب ہم قارئین کو اس حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ کہ زیر نظر مسئلہ میں نقد کی نسبت سے ادھار قیمت میں یہ تفاوت کیا ادھار کا عوض ہے۔ یا ادھار کی وجہ سے ہے؟ ان دونوں کے درمیان ما بہ الامتیاز کیا ہے تاکہ بزریعہ نص ہونا حرام اور ناجائز سود سے اس کا فرق ہوسکے واضح رہے کہ ادھار کی وجہ سے قیمت میں یہ تفاوت ادھار کا معاوضہ نہیں ہے۔ کیوں کہ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ اس ادھار کی قیمت میں کچھ قیمت تو بیع کی ہو اور کچھ قیمت اس اجل کی ہو جو عاقدین نے قیمت کی ادائیگی کے لئے طے کی ہے۔ بلکہ معاشرتی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے ادھار میں جو سہولت یسر آتی ہے۔ اس کی وجہ سے کچھ اضافہ ہوا ہے ہم آسانی کے پیش نظر اسے یوں تعبیر کرتے ہیں۔ ''ان الزیادۃ ہہنا لاجل الاجل لالعوض الاجل '' یہاں پر قیمت میں اضافہ ادہار کی وجہ سے ہے ادھار کے عوض میں نہیں ہے۔ قرآن وحدیث میں اس قسم کی متعدد نظائر پائی جاتی ہیں۔ جس میں ادھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی آتی ہے۔ جنھیں ہم آئندہ بیان کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اجل ایک وصف ہے۔ اور وصف کا معاوضہ نہیں ہوتا۔ لیکن وصف کے مرغوب ہونے کی وجہ سے قیمت بڑھ سکتی ہے۔ اور وصف کے ناپسند ہونے کی وجہ سے قیمت کم ہوجاتی ہے۔ اس کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو صاع کھجور کے عوض ایک صاع کھجور لینے کو ناجائز ٹھرایا ہے۔ آپ نے اس کے متعلق مذید تاکید کی ہے کہ عمدہ کھجور کا بھی مقابلہ ہو تو برابر برابر لینا ہوگا۔ اس کے عمدہ ہونے کی صورت میں اضاضہ نہ دے سکتے ہیں اور نہ ہی لے سکتے ہیں۔ بہترین کھجور کے ایک سیر کے بدلے میں معمولی کھجور کے دو سیر دینے سے منع فرمادیا کہ اس میں سیر کے بدلے میں آجاتا ہے اور دوسرا سیر اس کے وصف جودت (عمدگی) کے عوض میں لیا جاتا ہے۔ جو کہ ناجائز ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تدبیر یوں فرمائی کہ روی کھجور کو کم قیمت میں فروخت کردو پھر حاصل ہونے والے زر ثمن سے بہتر کھجور کو زیادہ قیمت خرید سے خریدلو اس معاملہ میں بہتر کھجور کی قیمت میں اضافہ اس کے وصف مرغوب کی وجہ سے ہے۔ اس عقلی اور فطری بات سے کسی کو بھی انکار نہیں کہ مرغوب چیز کی قیمت بمقابلہ نامرغوب کے زیادہ ہوگی لیکن یہ صورت ناجائز ہے کہ ایک سیر بہتر کھجور کے بدلہ میں دوسیر معمولی کھجور دی جائے اس طرح یہ بھی ناجائز ہے کہ بہتر کھجور والے کو معمولی کھجور کا ایک سیر اور اس کے ساتھ ایک روپیہ دیا جائے کیوں کہ اس صورت یہ روپیہ یا دوسرا سیر وصف جودت کا عوض ثابت ہوگا اور وصف کا عوض لینا جائز نہیں ہے لیکن بہتر کھجور کو عام نرخ سے زیادہ قیمت پر خریدنا بالکل جائز ہے کیوں کہ یہاں قیمت کا اضافہ اس کے وصف (عمدگی) کی وجہ سے اس وصف کا عضانہ نہیں ہے آپ نے ملتان سے لاہو جانے کا پروگرام بنایا ہے اس کے لئے عام گاڑی اے سی اور ہوائی جہاز تین زائع ہیں ان تینوں زرائع کا کرایہ الگ الگ ہے یہ تفاوت ان زرائع میں دی گئی سہولتوں کے پیش نظر ہے ایسا نہیں ہوتا کہ اصل کرایہ تو عام گاڑی کا ہے تو باقی جو کرایوں میں تفاوت ہے وہ ان سہولتوں کا عوض ہے جو آپ کو دی گئی ہیں اب آپ ادھار پر فروخت کی گئی چیز کی مدت پر غور کریں کہ نفس اجل کا عوض لینا ناجائز ہے لیکن اس کی وجہ سے قیمت کا بڑھ جانا فطری اور عقلی بات ہے اور شریعت نے اس سے منع نہیں کیا اسی کو فقہائے اسلام نے یوں تعبیر کیا ہے:

ان لاجل لایقابل الثمن ان الثمن یزادلاجل الاجل ''ثمن' اجل ''

کا عوض نہیں ہوتی البتہ اجل کی وجہ سے اس میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

نفس اجل پر عوض لینے کی صورت یوں ہوسکتی ہے۔ کہ ایک ماہ پر کسی چیز کا ادھار سودا ہوا کہ اس کے قیمت ایک ہزار روپیہ ایک ماہ پر ادا ہوگی۔ جب خریدار نے ایک ماہ بعد اس کی قیمت ادا نہ کی تو اسے کہا جائے۔ کہ آپ دوسرے ماہ کے اختتام پر اس کی قیمت ادا کردیں لیکن ساتھ پچاس روپے اضافی طور پر دیں۔ یہ صورت ناجائز ہے۔ کیوں کہ اس میں اجل کو فروخت کیا گیا ہے اور پچاس روپے اس اجل کا عوض ہیں اس کے برعکس اجل ایک وصف مرغوب ہے کہ مشتری کو فوری طور پر رقم ادا نہیں کرنی پڑتی آسانی سے کام چلا لیتا ہے۔ اس لئے وہ چیز ادھار پر دینے کی وجہ سے اس کی قیمت میں اضافہ ہوگیا۔ اس بیع موجل اور معاملہ سود میں فرق یہ کہ سودی معاملہ میں اصل دین (قرض) پر مہلت کے عوض اضافہ ہوتا ہے جبکہ بیع موجل میں مہلت کی وجہ سے بوقت عقد زیادہ قیمت طے کی جاتی ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ سودی معاملہ میں مدت کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس زیادتی میں اضافہ ہوجاتا ہے جبکہ بیع موجل میں ایک ہی دفعہ قیمت زیادہ لگائی جاتی ہے۔ بار بار ایسا نہیں کیا جاتا ہم اسے ایک مثال سے سمجھاتے ہیں:

اگر مشتری نے کوئی چیز دس روپے میں اس شرط پر خریدی کہ ایک ماہ بعد اس کی قیمت ادا کرے گا۔ اگر وہ ایک ماہ کی بجائے دو ماہ میں قیمت ادا کرے تو بھی وہ دس روپے ہی ادا کرگا۔ اب مدت کی زیادتی کی وجہ سے قیمت میں زیادتی نہیں ہوگی۔ لیکن اگر بائع معاملہ طے ہونے کے بعد ایک ماہ کی تاخیر پر دو پھر دو ماہ کی تاخیر پر چار اور اسی طرح تین ماہ کی تاخیر پر چھ روپے اصل طے شدہ رقم سے زیادہ وصول کرے تو یہ سود ہے جو کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔

قارئین کرام! جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ کہ زیر نظر مسئلہ یعنی نقد اور ادھار کے بھاؤ میں کمی بیشی کرنا شرعاً جائز ہے کیوں کہ یہ ادھار خرید وفروخت کی ہی ایک صورت ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ اور اس کے متعلق صریح نصوص موجود ہیں تاہم ادھار کی بنا پر قیمت زیادہ وصول کرنا فکر و نظر اور غور و خوض کا متقاضی ہے کیوں کہ خرید وفروخت کی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں ادھار جائز نہیں ہے جیسا کہ سونے کے بدلے سونا یا گندم کے عوض جو لینا اسی طرح بعض صورتیں ایسی ہیں کہ کسی طرف سے اضافہ حرام ہے۔ جیسا کہ چاندی کے بدلے چاندی کا کاروبار کرنا نیز ادھار کی وجہ سے قیمت بڑھا دینا کسی صریح نص سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ قرآئن وشواہد اور استنباط واستخراج سے اس کا جواز ملتا ہے جس کی تفصیل حسب زیل ہے:

(ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اے ایمان والو! جب تم ایک وقت مقررہ تک ادھار کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ '' (2/البقرہ 282''

اس آیت کو آیت مداینہ کہا جاتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''کہ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے مقررہ مدت تک کئے ہوئے عقد سلم کے معاملہ کو اپنی کتاب میں آیت مداینہ کی رو سے حلال قرار دے کر اس (کی اجازت دی ہے۔ '' (مستدرک حاکم :2/286

عقد سلم کی تعریف محدثین اور فقہاء نے بایں الفاظ کی ہے: '' بیع اجل بعاجل '' نقد پیشگی قیمت دے کر آئندہ خرید کردہ چیز وصول کرنے عقد اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی مشتری مقررہ شرائط کی رعایت کرتے ہوئے کسی شخص کو ایک ہزار روپیہ دے اور یہ معاہدہ کرے کہ تم یہ رقم پیشگی وصول کرکے فلاں وقت مجھے اتنی گندم اس بھاؤ سے دینے کے پابند ہو اور بائع بھی مقرر شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے رقم وصول کرک معاہدہ کرے تو اسے عقد سلم کہا جاتا ہے۔ اس عقد کی ماہیت پر غور کرنے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے۔ کہ مشتری وقتی طور پر یکمشت زر سلم کی ادائیگی پر تیار ہوکر مہینوں تک خرید کردہ چیز کی وصولی کا انتظار کرتا ہے ایسا کیوں ہے؟ کیا اس میں فریق ثانی کی خیر خواہی اور ہمدردی مقصود ہے۔ ؟ ہرگز نہیں اگر ایسی بات ہوتی تو اسے قرض حسنہ دیتا جو مشکل کے وقت اس کے کام آتا۔ متعدد شرائط کی رعایت کرکے پیشگی رقم دے کر مہینوں تک خرید کردہ چیز کی وصولی کا انتظار کرنے سے اس کا بنیادی مقصدیہ ہوتا کہ اسے مقررہ وقت پر خرید کردہ چیز ارزاں دے کر مہینوں تک خرید کردہ چیز کی وصولی کا انتظار کرنے سے اس کا بنیادی مقصدیہ ہوتا کہ اسے مقررہ وقت پر خرید کردہ چیز ارزاں قیمت یسر ہو کیوں کہ عقد سلم میں خرید کردہ چیز بائع کو بازار کی قیمت سے سستی پڑتی ہے۔

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ عقد سلم میں قیمت کی پیشگی ادائیگی اور خرید کردہ چیز کی تاخیر سے اس چیز کی قیمت متاثر ہوتی ہے۔ عقد سلم میں ادھار اور شرط ہے جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اس پر ایک عنوان

بھی قائم کیا ہے اگر اس میں ادھار نہ ہو تو عقد سلم کی حقیقت ہی ختم ہو جاتی لہذا جب بیع آجل بعاجل میں ادھار کی وجہ سے قیمت میں تفاوت کا آنا ممنوع نہیں تو زیر نظر مسئلہ جو دراصل بیع عاجل باآجل ہے۔ اس میں قیمت کا تفاوت کیوں ممنوع قرار دیا جائے۔ بلکہ نقد ادھار کی وجہ سے خرید کردہ چیز اور اس کی قیمت کا متاثر ہونا یعنی کم یا زیادہ ہونا غیر مشروع نہیں اور نہ سود کے زمرے میں آتا ہے۔ (فتدبر)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ''کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو لشم نامی ایک یہودی سے تیس صاع جو ادھار پر لئے اور اپنی زرہ اس کے ہاں گروی رکھی۔'' (بخاری کتاب البیوع باب شراء النبی بالنیئۃ)

ہم یہودی کے اس معاملہ کا بغور جائزہ لیتے ہوئے ایک متعصب دشمن اسلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اور اس کے بعد روزمرہ ضروریات میں کام آنے والی چیز زرہ کو رہن رکھنے کے پس پردہ واقعات کا جائزہ لینے سے جو صورت سامنے آتی ہے اس میں زیر نظر مسئلہ کے جواز پر قوی شوہر موجود ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرہ میں جب کسی چیز کی مانگ زیادہ ہو تو اس کے خریدار بھی بڑھ جاتے ہیں۔ اور جب خریدار زیادہ ہوں تو اس چیز کے نقد فروخت ہونے کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں ایسے موقع پر بائع ادھار کی نسبت نقد کو زیادہ ترجیح دیتا ہے۔ ہا ں اگر اسے ادھار فروخت کرنے میں مالی منفعت زیادہ نظر آئے تو پھر اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معاملہ کے وقت مدینہ منورہ کی معاشی حالت یہ تھی کہ غلہ کی ضرورت بہت زیادہ تھی عموماً لوگوں کو بیرونی قافلوں کے آنے کا انتظار کرنا پڑتا اور جب بھی قافلہ آنے کی خوش خبری سنائی جاتی تو فاقہ زدہ معاشرہ کی حالت بسا اوقات غیر ہو جاتی۔ چنانچہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ دے رہے تھے۔ کہ قافلہ آنے کی خبر ملی خبر سنتے ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین کی کثیر تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ کی حالت میں اکیلے چھوڑ کر قافلہ کی طرف دوڑی پڑی اور اس وقت خرید و فروخت کی مارکیٹ پر یہود کا قبضہ تھا وہ قافلہ سے غلہ خرید کر بعد میں اپنی مرضی کی قیمت پر اسے فروخت کرتے تھے۔ ایسی ضروریات کی اشیاء میں انہیں نقد کا گاہک بسہولت میسر تھا۔ یہ لوگ نقد کی بجائے ادھار کو ترجیح کسی شوق یا جذبہ ہمدردی کی وجہ سے نہ دیتے تھے۔ بلکہ مالی منفعت کی خاطر ادھار کا معاملہ کرتے تھے۔ ایسے حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادھار کے معاملے میں غالب گمان یہی ہے۔ کہ نقد کی نسبت سے ادھار میں قیمت کا تفاوت لازمی طور پر اختیار کیا گیا ہو گا مالی منفعت اور زیادہ قیمت کی وصولی کے سوا یہودی کے اس اقدام کے لئے اور کوئی دوسرا محرک نظر نہیں آ رہا تھا۔

آخر میں ہم شیخ عبدالعزیز ابن باز رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ درج کئے دیتے ہیں کیوں کہ اس فتویٰ س مزید کئی پہلو روشن ہوتے ہیں۔ شیخ صاحب سے کسی نے بایں الفاظ سوال کیا:

''بیع میں اگر نقد کی نسبت ادھار یا قسطوں پر قیمت زیادہ ہو تو اس کا حکم کیا ہے؟''

اس پر آپ نے حسب زیل جواب دیا:

معلوم مدت والی بیع جائز ہے جبکہ اس بیع میں معتبر شرائط پائی جاتی ہوں اس طرح قیمت کی قسطیں کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں جبکہ یہ اقسام معروف اور مدت معلوم پر مشتمل ہوں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے ایمان والو! جب تم ایک مقررہ مدت کے ادھار پر لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔'' (البقرۃ: 2/282)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جب کوئی شخص کسی چیز میں بیع سلم کرے تو ناپ تول اور مدت معین کر کے کرے۔'' (صحیح بخاری)

حضرت بریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق احادیث میں ہے کہ انہوں نے خود کو اپنے مالکوں سے اوقیہ چاندی میں خرید لیا کہ ہر سال ایک اوقیہ چاندی ادا کرنا ہو گی۔ (صحیح بخاری)

یہی قسطوں والی بیع ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع کو معیوب خیال نہیں کیا بلکہ آپ خاموش رہے اس سے منع نہیں فرمایا اور اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ قسطوں میں قیمت نقد کے برابر ہو یا مدت کی وجہ سے زیادہ ہو۔ (فتاویٰ شیخ عبدالعزیز ابن باز: 142)

ایک اور فتویٰ میں آپ نے اس روایت سے بھی اس کے جواز پر استدلال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا۔ کہ وہ ایک لشکر ترتیب دیں۔ اور اس کے لئے لوگوں سے حاضر اونٹ اس شرط پر خرید لیں کہ جب زکواۃ کے اونٹ آئیں گے تو ایک اونٹ کے عوض دو اونٹ دیئے جائیں گے۔'' (مستدرک حاکم بیہقی)

ان قرآئن و شواہد کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق کیا جا سکتا ہے اور ادھار کی اقساط بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن یہ معاملہ غلط ہے۔ کہ اگر کسی ایک قسط میں دیر ہو جائے تو اسکی باقی اقساط ضبط کر لی جائیں یا مدت بڑھا کر ان میں مزید اضافہ کر دیا جائے ایسا کرنا سراسر زیادتی اور ظلم کے ساتھ ساتھ صریح سود ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

فتاوی اصحاب الحدیث

جلد:1 صفحہ:230